باقی یہ کہنا کہ، کفارات کی حیثیت زواجر کی ہے۔ وهو یرید الحنفیة ان الکفارات عند البخاری زواجر لا سواتر (فیض الباری ص۱۶)

محل نظر ہے، زواجر ہیں مگر ضمناً، اصل یہ ہے کہ وہ کفارہ ہے۔ وہ گناہوں کا میل دھو دیتا ہے۔ بخاری ص ۳۱/۲۲ مع فتح الباری میں ہے۔

ومن اصاب من ذلك شيئًا فعوقب به فهو كفارته۔

مسنون تراویح سے زائد کیوں پڑھی گئیں؟ اونچی آواز میں دعا مانگنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

۱۔ بقول آپ کے اگر تراویح کی تعداد مع وتر گیارہ تھی تو اس سے زائد بزرگوں نے کیوں پڑھیں؟ کیا آپ لوگ زیادہ متبع سنت ہیں اور وہ نہیں تھے؟

۲۔ بعد نماز ہو یا نماز کے سوا دعا اونچی مانگنا ثابت ہے یا نہیں ہے؟ مسجدوں میں عموماً سریلی آواز میں دعائیں مانگی جاتی ہیں، شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ مختصراً۔

الجواب

اس سلسلے میں سوالات اور جوابات کی اتنی تکرار کی گئی ہے کہ اب اس بحث میں پڑنے میں کوئی لطف باقی نہیں رہا۔ علمی نہ تحقیقی۔

ہم چاہتے ہیں کہ، قارئین کے سامنے کچھ اصولی باتیں رکھ دی جائیں اگر کسی کو تحقیق مقصود ہو تو بس کرے! باقی رہے گرمیٔ محفل کے سامان؟ سو اب یہ عادت ترک کر دینا چاہیے! کیونکہ یہ دین ہے شغل نہیں ہے۔

اخذ او مطالعہ کا اسلامی اصول۔ سب سے پہلے یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ:

دینی امور معلوم کرنے کے لیے، سب سے پہلے قرآن کا مطالعہ ضروری ہوتا ہے اگر اس سے رہنمائی حاصل نہ ہو تو پھر سنتِ رسول کا مطالعہ کرنا چاہیے اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے تو پھر امت کا متفقہ تعامل دیکھنا پڑتا ہے، ورنہ اجتہاد کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ جب تک پہلے نمبر میں کوئی چیز مل سکتی ہے، دوسرے ماخذ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں پر یہی خرابی راہ پاگئی ہے کہ پہلے ماخذ کی موجودگی میں دوسرے ماخذ کی طرف، دوسرے کی موجودگی میں تیسرے کی طرف اور تیسرے کی موجودگی میں چوتھے نمبر پر جا دھمکتے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان سے دریافت فرمایا کہ فیصلے کیسے کرو گے؟ اس نے کہا پہلے کتاب اللہ کو دیکھوں گا، نہ ملا تو حدیث کا مطالعہ کروں گا، اس میں نہ ملا تو پھر اجتہاد کروں گا۔ مختصراً۔

کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولا فی کتاب اللہ قال اجتہد برأیی ولا آلو فضرب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صدرہ فقال الحمد للہ الذی وفق رسول اللہ لما یرضی رسول اللہ (ابوداؤد ص ۱/۲ - ترمذی مع تحفۃ ص ۲۷۵/۲)

گو اس روایت میں کلام ہے مگر دوسرے شواہد اور تعاملِ امت کی وجہ سے یہ قابلِ احتجاج ہو گئی ہے۔ (عون المعبود وغیرہ ص ۳۳۱/۳)

حضرت عمرؓ نے اپنے قاضی کو لکھا کہ: کتاب اللہ سے رہنمائی مل جائے تو پھر دوسری طرف نہ دیکھئے، اگر نہ ملے تو پھر سنت رسولؐ پر اکتفا کیجیے! دوسری طرف مت دیکھیے، اگر دونوں میں کچھ نہ ملے تو اجماع امت کے مطابق فیصلہ کیجیے۔ حتی الوسع اجتہاد سے پرہیز کیجیے۔

اذا وجدت شیئاً فی کتاب اللہ فاقض بہ ولا تلتفت الی غیرہ وان اتاک شیئ لیس فی کتاب اللہ فاقض بما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان اتاک ما لیس فی کتب اللہ ولم یبین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاقض بما اجمع الناس علیہ وان اتاک بما لیس فی کتاب اللہ ولا سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ولم یتکلم فیہ احد قبلک فان شئت ان تجتھد رأیک فتقدم وان شئت تتاخر فتاخر وما اری التاخر الا خیراً لک (اعلام الموقعین ص ۱/۲۲)

یہی دستور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا:

کان ابوبکر الصدیق اذا ورد علیہ حکم نظر فی کتاب اللہ تعالیٰ فان وجد فیہ ما یقضی بہ قضی بہ وان لم یجد فی کتاب اللہ نظر فی سنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فان وجد فیھا ما یقضی بہ قضی بہ فان اعیاہ ذلک سال الناس۔ (رواہ ابو عبید فی کتاب القضاء۔ اعلام ص ۱/۲۳)

یہی اصول حضرت ابن مسعودؓ نے بیان فرمایا ہے:

قال من عرض له منكم قضاء فليقض بما في كتاب الله فان لم يكن في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولم يقض نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون الخ۔

(رواه ابن ابي خثيمة - اعلام ص۲۲)

یہی ترتیب اصول فقہ اور اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مگر افسوس! دوستوں نے ایسی چھلانگ لگائی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ دونوں کو ایک ساتھ پھلانگ کر پار نکل گئے ہیں اور کہنے لگے ہیں کہ: فلاں نے اتنی پڑھی ہیں اور فلاں نے اتنی۔ حالانکہ جب سنت میں ایک چیز موجود تھی اس کو چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی راہ دیکھنے کی نوبت نہیں آنی چاہیے تھی۔

بخاری وغیرہ۔ بخاری وغیرہ میں آگیا ہے کہ حضور تراویح مع وتر گیارہ رکعتیں پڑھا کرتے تھے

ما كان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يزيد في رمضان ولا غيره على احدى عشرة ركعة، يصلي اربعا ..... ثم يصلي اربعا ..... ثم يصلي ثلثا الحديث (بخاری باب قيام النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالليل في رمضان موطا امام محمد ص۱۱ باب قيام شهر رمضان وما فيه من الفضل وغيره)

اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی ہے

صلى بنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في رمضان ثماني ركعات (ميزان الاعتدال وقال اسناده وسط ص۳۱۱)

اسی طرح حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ ملاحظہ ہو (التلويح بتوضيح التراويح ص۱۱)

حضورؐ کے اس تعامل کے بعد دوسری طرف جانا مناسب نہیں تھا، حضورؐ کے ارشاد، حضرت عمرؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ اور دوسری دینی کتابوں کی تصریحات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ کسی دوسرے کی طرف نہ دیکھا جائے مگر یار دوستوں کا اصرار ہے کہ حضورؐ کی حدیث کے باوجود دوسروں کو پہلے دیکھیے یعنی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس پڑھی گئیں، دوسرا کہتا ہے کہ ۳۶۔ ایک اور اٹھتا اور کہتا ہے ۴۱ ۔ الغرض جتنے منہ اتنی باتیں شروع ہوگئیں۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ انہوں نے اصل اصول کو نظر انداز کر دیا ہے۔ حدیث کے ہوتے، دوسری طرف ان کو دیکھنا جائز ہی نہیں تھا، چہ جائیکہ دوسروں سے یہ اصرار کیا جائے کہ تم بھی حدیث کے بجائے ان بزرگوں کو دیکھو۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ہمارے اکثر کرم فرما، گیارہ سے زیادہ کے سلسلے کی روایات کے پوسٹ مارٹم

کرنے میں زیادہ سے زیادہ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں، حالانکہ یہاں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ:

۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ کے تعامل کے ہوتے اصولاً ان کے مطالعہ کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

۲۔ دوسرا یہ کہ: گیارہ سے زیادہ جتنی پڑھی گئیں، وہ سنت کرکے نہیں پڑھی گئیں بلکہ محض نفل کرکے یا قیام اور قرأت میں تخفیف کرکے اس کے عوض رکعتیں بڑھائی گئی تھیں۔ اس لیے اس کا تعلق ہماری بحث سے نہیں ہے۔

۳۔ ویسے بھی جو امور یعنی گیارہ سے زیادہ ثابت ہیں اور وہ اپنی جگہ ایک پس منظر بھی رکھتے ہیں وہ ثابت شدہ عدد مسنون سے متصادم بھی نہیں ہیں۔ اس لیے ناحق اور غیر مفسر جروح کے ذریعے گیارہ سے زیادہ کے ثبوت کا انکار کیا جائے یہ انصاف اور علم کی بات نہیں ہے۔ ہم کہتے ہیں حضورؐ کے بعد تابعین کے عہد میں گیارہ سے زیادہ پڑھی گئی ہیں، بیس بھی اور اس سے زیادہ بھی اور کم بھی۔ راویوں پر غیر مفسر جروح کے ذریعے لے دے مناسب نہیں ہے۔ ہمارا تو صرف یہ اصرار ہے کہ حضورؐ سے دکھاؤ، ودونہ خرط القتاد۔

زیادہ کیوں پڑھی گئیں؟ اب سوال رہ جاتا ہے کہ! وہ لوگ ہم سے بھی زیادہ سنت کے متبع تھے۔ انھوں نے کم و بیش کیوں پڑھیں؟

یہ سوال تو ان سے ہونا چاہیے تھا جو ایسا کرتے ہیں، ہمارا اصولی جواب تو یہ ہونا چاہیے کہ: وہ جانیں! ـــ تاہم، ہم چاروں مذاہب کے اماموں کے اقوال سے یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ کام انھوں نے کیوں کیا؟ عدد مسنون سے زیادہ کیوں پڑھیں؟ کیا سنت کرکے یا کسی اور وجہ سے؟

شافعی: شوافع کا کہنا ہے کہ گیارہ سے زیادہ اس لیے نہیں پڑھی گئیں کہ وہ اسے سنت تصور کرتے تھے بلکہ صرف اس لیے کہ لمبے قیام اور لمبی قرأت کے بجائے قیام اور قرأت مختصر کرکے رکعتیں بڑھا دی تھیں امام ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں۔

والجمع بین ھذہ الروایات ممکن باختلاف الاحوال ویحتمل ان ذلک الاختلاف بحسب تطویل القراءۃ وتخفیفھا بحیث یطیل القراءۃ تقل الرکعات وبالعکس وبذلک جزم الداؤدی وغیرہ والعدد الاول موافق لحدیث عائشۃ المذکور بعد ھذا الحدیث فی الباب (فتح الباری ص۳۱۶)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں حضرت عائشہ کی روایت کے موافق ہیں، پہلے حضرت عمرؓ کا بھی اسی پر عمل رہا پھر بیس پڑھی گئیں۔

رواية احدى عشرة موافقة لرواية عائشة فى عدد قيامه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى رمضان وغيره وكان عمر امر بهذا العدد زمانا ثم كانوا يقومون على عهده بعشرين ركعة وكانوا يقرؤن بالمئين (مرقات شرح مشكوٰة)

ويمكن الجمع بين الروايتين فانهم كانوا يقومون باحدى عشرة ثم كانوا يقومون بعشرين ويوترون بثلث (سنن كبرى بيهقى ص ۴۹٦/۲)

وقال ابن حجر: ولعلهم فى وقت اختاروا تطويل القيام على عدد الركعات فجعلوها عشرين (المصابيح)

حنفی۔ حنفی اماموں نے بھی یہی فرمایا ہے کہ: جو رکعتیں پڑھائی گئیں وہ سنت کر کے نہیں پڑھائی گئی تھیں بلکہ نفل سمجھ کر زیادہ کی گئی تھیں۔

وقوله فى الوجه الخامس: لوثبت عددها بالنص لم تجز الزيادة عليه منظور فيه بان الملازمة ممنوعة فان الزيادة على مقاديرالسنن جائزة اتفاقا لكن لا على سبيل السنية بل على سبيل التطوع (تحفة الاخيار للعلامة اللكنوى)

لیکن یہاں انھوں نے یہ زیادتی کی ہے کہ اس زیادت سے مراد، بیس سے زیادہ رکعتیں ہیں گیارہ سے زیادہ مراد نہیں ہیں۔ حالانکہ دوسرے تمام ائمہ نے اس سے مراد گیارہ سے زیادہ رکعتیں ہی مراد لی ہیں کہ وہ صرف "نفل" کر کے پڑھائی گئی تھیں، مسنون کر کے نہیں۔ حافظ ابن حجر اور امام داؤدی کی تصریح اوپر گزر چکی ہے۔ مزید یہ ملاحظہ فرمائیں۔

مالکی۔ حضرت امام عبدالملک ابن حبیب مالکی مذہب کے ثقہ اماموں میں سے ہیں۔ ایک واسطے سے حضرت امام مالک کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۸ھ میں انتقال کیا۔ انھوں نے تصریح کی ہے کہ گیارہ سے جو رکعتیں بڑھائی گئی ہیں، وہ قیام اور قرأت میں تخفیف کے عوض بڑھائی گئی ہیں، پہلے گیارہ ہی رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

وذكر فى النوادر عن ابن حبيب انها كانت اولًا احدى عشرة ركعة الا انهم كانوا يطيلون القراة فيه، فثقل ذلك عليهم فزادوا فى عدد الركعات وخففوا القراة وكانوا يصلون عشرين ركعة غير الوتر ثم خففوا القراة وجعلوا عدد ركعاتها ستًا وثلثين ومضى الامر على ذلك (تحفة الاخيار فى احياء السنة سيد الابرار)

"یعنی نوادر میں مذکور ہے کہ امام" ابن حبیب فرماتے ہیں کہ پہلے گیارہ رکعتیں تھیں مگر قرأت

لمبی کرتے ہیں، پھر وہ ان پر شاق ہونے لگی تو انھوں نے قرأت ہلکی کر کے رکعتیں بڑھا کر وتر کے سوا بیس رکعتیں پڑھنے لگ گئے، پھر اور اس میں تخفیف کر کے رکعتیں ۳۶ کر دیں اور اسی پر ان کا تعامل رہا۔

امام ابن حبیب (متوفی ۲۳۸ھ) کی یہ تصریح بڑی جان رکھتی ہے، کیونکہ ان کا عہد بہت قریب کا عہد ہے۔

ابن عبد البر مالکی نے بھی یہی احتمال بیان کیا ہے: یحتمل ان یکون ذلک اولاً ای احدی عشرۃ ثم خفف عنھم طول القیام ونقلھم الی ثلث وعشرین رکعۃ الا ان الاغلب عندی ان احدی عشرۃ وھم منفی قال الزرقانی: لا وھم مع ان الجمع بالاحتمال الذی ذکرہ قریب وبہ جمع البیھقی ایضا (تحفۃ الایثار لعبد الحی ص۹۱)

حنبلی - چاروں فقہی مذاہب میں سے حنبلی مسلک کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ وہ اجتہاد فی الرائے کی بہ نسبت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتثال میں زیادہ اجتہاد کیا کرتے ہیں۔ ان میں حضرت امام ابن تیمیہ کا مقام نا صہ بلند ہے وہ فرماتے ہیں کہ زیادہ اور تھوڑی رکعتوں کا انحصار قیام پر مبنی ہے قیام لمبا تو رکعتیں کم، قیام مختصر تو رکعتیں زیادہ کی جاتی رہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لمبی قرأت نے رکعتوں کی تکثیر سے مستغنی کر دیا تھا۔ لیکن جب ابی بن کعب نے نماز پڑھائی تو لمبا قیام نہ ہو سکا۔ انہیں بیسے رکعتیں بڑھا دیں تاکہ لمبے قیام اور قرأت کا کچھ بدل بن جائے۔

وحینئذٍ فیکون تکثیر الرکعات وتقلیلھا بحسب طول القیام وقصرہ فان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یطیل القیام باللیل حتی انہ قد ثبت عنہ فی الصحیح من حدیث حذیفۃ، انہ کان یقرأ فی الرکعۃ بالبقرۃ والنساء وآل عمران فکان طول القیام یغنی عن تکثیر الرکعات وابی بن کعب لما قام بھم وھم جماعۃ واحدۃ لم یکن ان یطیل بھم القیام فکثر الرکعات لیکون ذلک عوضا عن طول القیام وجعلوا ذلک ضعف عدد رکعاتہ ...... ثم بعد ذالک کان الناس بالمدینۃ ضعفوا عن طول القیام فکثروا الرکعات حتی بلغت تسعا وثلثین فتاوی ابن تیمیہ ص۱۲۳/۲۳)

لکن کان یصلیھا طوالا، فلما کان ذلک یشق علی الناس قام بھم ابی بن کعب فی زمن عمر بن الخطاب عشرین رکعۃ یوتر بعدھا ویخفف فیھا القیام فکان تضعیف العدد عوضا عن طول القیام (ایضاً ص۱۲/۲۳)